"قریش کی تصویر قرآن کے آئینے میں"

از
جناب ڈاکٹر عبدالحمید صاحب مہجور

قرآن شاہد ہے کہ قریش مکہ ایک تجارت پیشہ قوم تھے۔ تجارت ان کا آبائی پیشہ اور مرغوب و دلکش مشغلہ تھی، پھر وہ تجار بھی کیسے تھے، معمولی بنئے بقال جیسے نہیں، قریش کی تجارت بڑے وسیع پیمانے پر تھی۔ ان کے تجارتی قافلے کیا جاڑا کیا گرمی ہر موسم میں دور دراز ملکوں کا سفر کیا کرتے تھے۔ شہر مکہ خود ایک اچھا خاصہ تجارتی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ بیرونی ممالک سے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ مال درآمد اور برآمد ہوتا تھا، خصوصاً حج کے زمانہ میں تو مکہ میں خرید و فروخت کا بازار بہت ہی گرم رہتا تھا۔ الغرض اسی تجارت کا زرِ منافع قریش کا ذریعہ معاش تھا۔

علاوہ ازیں قریش کی ایک دوسری حیثیت بھی مسلّم ہے یعنی وہ معمارانِ کعبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور اسمٰعیل نبی اللہ کی اولاد تھے۔ قریش عرب کے معبد کے متولی بھی تھے۔ انھیں اللہ کے گھر کی تولیت انھیں بزرگوں سے ورثتاً ملی تھی۔ اس معبد کی زیارت کے لئے عرب، اطراف و جوانب سے ہر سال جوق در جوق مکہ آیا کرتے تھے۔ زائرین کی جان و مال کی حفاظت کرنا، انھیں پانی پلانا اور حج و عمرہ وغیرہ کی سہولتیں بہم پہنچانا انھیں (قریش) کے ذمہ تھا۔ نیز بیت اللہ شریف سے متعلق تمام انتظامات کی ذمہ داری بھی انھیں پر عائد تھی۔ بنا بریں قریش تمام جزیرۂ عرب میں بڑی عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کے تجارتی قافلوں سے اور تو اور ڈاکو اور لٹیرے بھی اونیٰ تعرض نہ کرتے۔ قریش کا کاروانِ تجارت جہاں چاہتا بے خوف و خطر آتا جاتا۔

الغرض اسی خدا کے طفیل میں قریش ایک طرف تو دولت سے مالا مال تھے اور دوسری طرف اللہ کی ساری زمین ان کے لئے امن و امان کا گہوارہ تھی۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اِیْلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ۔

قریش کی رغبت کے شکریہ میں ان کی اس رغبت کے شکریہ میں جو ان کو سردی اور گرمی کے سفروں سے ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اسی گھر کے مالک کی عبادت کرتے رہیں۔ جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور انھیں خوف سے امن دیا۔

یہ ہے (قبل از اسلام) قریش کی سچی تصویر قرآن کے صاف و شفاف آئینے میں!

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کا ایک مضمون نگار مکہ کی تاریخ کے سلسلہ میں رقمطراز ہے کہ

"اتنا تو بہرحال تسلیم کرنا پڑے گا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دور سے بہت قبل مکہ کی دو حیثیتیں ہم مسلّم پاتے ہیں، ایک تجارتی مرکز کی اور ایک مقدس معبد کی، جس کی ارد گرد کی زمین بھی حرم ہے۔ (جلد ۵ ص۱۵)

اب آپ غور فرمائیں کہ ایسی معزز مرتبہ اور شریف قوم جو معاشی اور اقتصادی اعتبار سے ہر طرح آسودہ اور خوشحال ہو، ملک ملک کی سیر و سفر کرنے کی وجہ سے اقوامِ عالم کی تہذیب و تمدن سے واقف اور زمانہ کے نشیب و فراز سے آگاہ ہو، پھر اللہ کے مقدس گھر کی مجاوری کرنے کی برکت سے پورے جزیرۂ عرب میں باوقعت اور لائق ادب و احترام ہو کیا تہذیب و اخلاق کے اعتبار سے اتنی ذلیل اور پست ہو سکتی ہے کہ بدکاری، چوری اور ڈکیتی جیسے اخلاق سوز جرائم کی مرتکب ہو؟

کیا یہ ممکن ہے کہ قریش اتنی صفاتِ عالیہ سے متصف ہونے کے باوجود ایسے "بدمعاش"، "اوباش" اور "غارت گر اخلاق" ہوں کہ دوسروں کی عزت و آبرو پر دن دھاڑے ڈاکے ڈالتے پھریں، بربریت اور سفاکی میں ایسے طاق ہوں کہ مستورات کا پیٹ چاک کر ڈالنا اور ننھے ننھے معصوم بچوں کو تہہ تیغ کرنا بھی جائز سمجھیں، بے حیائی اور بے غیرتی میں اس حد کو پہونچ گئے ہوں کہ اپنی (سوتیلی) ماؤں کو مالِ غنیمت سمجھ کر جورو بنالیں حتیٰ کہ حرم محترم کے پاسباں ہوتے ہوئے خود ہی اس کی بےحرمتی کے درپے ہوں کہ خانۂ کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کریں اور مرد تو مرد عورتیں بھی حرم میں مادر زاد ننگی ہو کر عبادت کرنے سے نہ شرمائیں؟

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن۔ بہرحال آپ اسے باور کریں یا نہ کریں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہماری کتبِ ادب و تاریخ کے صفحات، عربوں (جس سے قریش مستثنیٰ نہیں ہیں) کی انھیں تعریفوں سے سیاہ ہیں۔

کہتے ہیں کہ یہ لوگ بت پرست تھے، انھوں نے تین سَو ساٹھ بتوں کو خدا بنا رکھا تھا اور انھیں کی پوجا کرتے تھے۔ قریش کے خلاف اس الزام میں بھی کہاں تک صداقت ہے یہ تو آپ کو ذرا آگے چل کر معلوم ہوگا۔ تاہم اگر (بفرضِ محال) مان بھی لیا جائے کہ انھوں نے تین سَو ساٹھ نہیں تین ہزار ساٹھ بتوں کو خدا بنا رکھا تھا۔ لیکن آخر اس سے ان کی تہذیب و اخلاق اور عادات و اطوار پر کیا اثر پڑے گا؟ یہ چوری اور ڈکیتی کا شیوہ کیوں اختیار کریں گے؟ بے رحمی اور بے غیرتی کی ان میں خُو کیونکر پیدا ہو جائے گی؟ سانپ، بچھو، چھچھوندر، چھپکلی اور مکڑی کیوں کھانے لگیں گے اور اتنے مفلس اور قلاش کیونکر ہو جائیں گے کہ چمڑا تک چبانے کی نوبت آجائے؟ روم اور فارس کے ممالک بھی ان کے دائیں بائیں آباد تھے وہ بھی تو آخر مشرک ہی تھے، تین سو ساٹھ کی نہ سہی تین خدا (تثلیث) کی ہی سہی تین خداؤں کی نہ سہی ایک (آگ) کی ہی سہی عبادت تو بہرحال غیر اللہ کی ہی کرتے تھے لیکن وہ محض مشرکیہ عقائد کی وجہ سے چور، ڈاکو، بے غیرت اور بے رحم تو نہ تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اسی عقیدۂ باطل کے سبب قریش میں دنیا کی ساری برائیاں سمٹ کر چلی آئیں؟ یا للعجب!!

سچ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی شان میں غلو یا ہجو کرنے پر اتر آتا ہے تو اس کے ہاتھ سے حق و انصاف کا دامن یکسر چھوٹ جاتا ہے اور وہ اندھا دھند تمام حدود و قیود کو توڑتا ہوا اتنا دور نکل جاتا ہے کہ انجام کار ایک انصاف پسند کی نگاہ میں اضحوکہ بنکر رہ جاتا ہے۔ بعینہٖ اس موقع پر یہی حال ہمارے مورخوں اور سیرت نگاروں کا ہوا ہے کہ جب وہ دورِ جاہلیت میں قوم عرب کا نقشہ کھینچنے بیٹھتے ہیں تو انھیں بالکل وحشی، چور، ڈاکو، حرام خور، بے حیا، زانی اور جانے کیا کیا کہہ جاتے ہیں۔ غرضکہ اس قوم کی شکل ایسی کریہہ اور بھیانک پیش کرتے ہیں کہ اسے دیکھ کر ایک اہلِ نظر حیرت سے انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکرِ جمیل توراۃ و انجیل میں موجود ہے!! البتہ قرآن سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ زمانۂ جاہلیت میں عبادت کے وقت آرائش کے سامان زیب تن کرنا معیوب سمجھتے تھے (جیسا کہ ہمارے یہاں کے مشرکین پوجا پاٹ کے وقت کرتے ہیں)، لیکن یہ بالکل مادر زاد برہنہ

ہونے کے کیا معنی؟ چنانچہ قرآن ان کے اس غلط خیال کی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ۔ اور کہیں تحکمانہ لہجے میں خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ کہہ کر جاہلیت کی رسم کو مٹاتا ہے۔ نیز ایک مقام پر یہ بھی صراحتہً بیان ہے کہ قریش بیت اللہ شریف میں سیٹیاں اور تالیاں بجانا بھی عین صلوٰۃ میں داخل سمجھتے تھے نہ کہ برہنہ طواف کرنا! ورنہ اگر واقعی قریش میں اتنی ساری برائیاں موجود ہوتیں (جیسا کہ ہمارے مؤرخین کہتے ہیں) تو کوئی وجہ نہ تھی کہ قرآن انھیں صیغۂ راز میں رکھتا۔ آخر عاد، ثمود اور قوم لوط کی برائیاں تو قرآن نے ایک ایک کر کے گنوا ہی دیں، بنی اسرائیلیوں کی شرارت کا بھانڈہ تو بہرحال پھوڑ ہی دیا اور خود قریش میں جو خرابیاں واقعی موجود تھیں ان پر ہی کہاں پردہ ڈالا؟ اور یہ کیوں نہ ہو جب کہ ظاہر ہے کہ نزولِ قرآن کا اولین مقصد ہی اس قوم کی اصلاح تھا۔

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ عربوں کی غیرت اور شجاعت چاردانگ عالم میں ضرب المثل بنی رہی ہے۔ دنیا ان کی جفاکشی اور جنگ جوئی کا لوہا مانتی، اور مہذب اور متمدن قومیں ان سے مہمان نوازی اور خوش اخلاقی کا سبق حاصل کرتی رہی ہیں۔ آپ ہی انصاف سے کہیں کیا دنیا والوں کی اصطلاح میں ایسی ہی قومیں غیور، خوددار، بہادر اور خوش اخلاق کہلاتی ہیں جو کمزوروں کو لوٹتی کھسوٹتی پھریں، اپنی شکم پروری کے لئے بے بس عورتوں کو بے حیائی کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کریں اور مستورات اور معصوم بچوں پر دستِ ظلم دراز کرنا روا رکھیں!!! وائے افسوس ؎ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔ پھر دوسری طرف قدرت کی "ستم ظریفی" تو ملاحظہ فرمائیے کہ ساری دنیا کی روحانی پیشوائی اور دینی رہنمائی کے لئے اس کی نظرِ انتخاب پڑتی ہے تو کس پر؟ اسی "بداخلاق" اور "بدکار" قوم پر! اللہ کے مقدس گھر کی خدمت اور رسول پاک کی معیت اور مصاحبت کے لئے اہل اور اصلح ثابت ہوتی ہے تو یہی "ظالم" اور "بے غیرت" قوم! گویا یہی بدکاری، بے حیائی، بداخلاقی اور سفاکی ان اعلیٰ اور افضل ترین مناصب کے لئے اس قوم کا طرۂ امتیاز تھی!!! کیا روئے زمین پر ان مقدس اور معزز فرائض کی انجام دہی کے لئے کوئی بہتر قوم نہ تھی؟ اگر نہ تھی تو ایسی نابکار و ناہنجار دنیا کو

صفحۂ ہستی سے مٹا کر ایک ایسی قوم کو پیدا کرنے میں اللہ کو کون سی چیز مانع تھی جو تکمیلِ دین کے مقصد کے لئے ہر طرح مناسب ہوتی؟ اسی کے سر "امۃ وسطہ" کا سہرا باندھا جاتا اور وہی "خیر امۃ" کے لقب سے نوازی جاتی! ؎

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

ضرورت ہے کہ اس موقع پر ہم ذرا ٹھنڈے دل سے اس امر کا جائزہ لیں کہ عربوں کے خلاف ان مبالغہ آمیزیوں اور حاشیہ آرائیوں کے پیچھے کون سا جذبہ کار فرما ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے مؤرخین و ارباب سیر نے یہ سب کچھ اس خوش فہمی میں کہہ ڈالا کہ اس سے پیغمبر اسلام کی عظیم الشان کامیابی کا مظاہرہ ہوتا ہے لیکن افسوس کہ انھوں نے اس کے دوسرے رُخ پر نظر نہیں کی کہ اس بے اعتدال اور غیر محتاط واقعہ نگاری کا اثر انجام کار اپنے ہی حق میں کتنا خطرناک ثابت ہوگا! حالانکہ اگر عربوں کی وہی خصوصیات جو ان میں فی الواقع موجود تھیں من وعن دنیا کے سامنے رکھدی جاتیں تب بھی کٹر سے کٹر معاند کو بھی یقیناً جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کی معجزانہ کامیابی سے انکار کی جرأت نہ ہوتی۔ عربوں کی بے مثال درشت خوئی اور جنگ جوئی سے تو کسی کو انکار نہیں، میدان جنگ میں مرنا اور مارنا ان کا قومی شعار اور ان کے نزدیک خاندانی فخر و وقار کا باعث تھا۔ جذبۂ شجاعت کی یہ حالت تھی کہ گھر میں بستر پہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے پر دشمن کی تلوار کے نیچے گردن دیدینے کو ترجیح دیتے۔ خاندانی عصبیت کا یہ عالم کہ اگر کسی معمولی سے معمولی بات پر دو قبیلے اڑ جاتے تو خون کی ندیاں بہہ جاتیں، دونوں کے درمیان کوئی تیسرا مصالحت کرانے والا تو کجا، دوسرے قبیلے بھی اپنے قریبی قبیلے کا طرفدار ہو کر اس لڑائی میں جان و مال سے شریک ہو کر جنگ کے شعلے اور بھی بھڑکا دیتے۔ اس طرح یہ جنگ برسوں جاری رہتی اور کتنی ہی جانیں ناحق تلف ہوتیں۔ عائلی زندگی میں ایک عرب کی غیرت اور خودداری کا یہ حال تھا کہ اگر کسی گھر میں لڑکی پیدا ہوتی تو مارے غم و غصہ کے اس کا دم گھٹنے لگتا! اپنے کو لوگوں کے سامنے منہ دکھانے کے لائق نہ سمجھتا، شب و روز لحاف میں منھ ڈالے اس ادھیڑ بن میں لگا رہتا کہ اس بے کار سی چیز سے ہمیں کیا فائدہ؟ گلے میں تلوار حمائل کرنے کے بجائے سونے اور چاندی کی بازیب گلو کرنے والی لڑکی ہمارے

کس کام کی ؟ گنگ اور بے زبان صنف نازک دشمن کے مقابلے میں ہماری کیا مدد کرے گی ؟ الغرض اسی طرح زہر کا گھونٹ پی پی کر رہتا رفتہ رفتہ کچھ دنوں میں اس کا غم و غصہ قدرتی طور پر فرو ہو جاتا اور بات ختم ہو جاتی ۔ البتہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ممکن ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوا ہو کہ کسی نے انتہائی مایوسی کے عالم میں اپنی نوزائیدہ بچی کو مار ڈالا ہو ۔ لیکن یہ کہنا کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دینے کی رسم عربوں میں عام تھی اور اس پر طرہ یہ کہ یہ رسم اس وقت ادا کی جاتی جب وہ بچیاں بڑی ہو کر جوان ہو جاتیں ، بڑی زیادتی اور عربوں کے ساتھ انتہائی بے انصافی ہے ۔ مزید براں یہ کہنا کہ اس قساوت و شقاوت میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ برابر کی شریک ہوتیں یعنی مائیں خود اپنی جیتی جاگتی ہنستی بولتی بچیوں کو زندہ درگور کر دینے کے لئے بنا سنوار کر ان کے ظالم باپوں کے حوالہ کرتیں ، فطرت کے اٹل قانون کو یکسر بدل دینے کے مرادف ہے (لَا تَبۡدِيلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ) ۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ کیا ایسی سخت قوم کی اصلاح کرنا کوئی آسان کام تھا ؟ کیا پیغمبر اسلامؐ کی اس اولوالعزمی کی دنیا میں کوئی نظیر مل سکتی ہے کہ وہ قوم جو کبھی آپس میں ایک دوسرے کے خون کی پیاسی رہتی تھی آپؐ کی تبلیغ سے رحماء بینھم کا پیکر مجسم بن گئی ۔ صدیوں کی عداوت تحریکؐ اسلام کی برکت سے صبح و شام میں یکسر اخوت و محبت سے بدل گئی اور مدت ہائے دراز کے بھٹکے ہوئے کتاب و حکمت کی تعلیم سے آسمانِ ہدایت کے درخشندہ ستارے بنکر چمکنے لگے ! اللھم صل وسلم علی محمد ۔

یہاں یہ نہ بھولنا کہ انھیں عربوں کے پڑوس میں یہودی بھی بستے تھے جو حضورؐ کی دشمنی اور مخالفت میں مشرکوں سے بھی زیادہ پیش پیش رہتے تھے ۔ آپ کی مسلسل دعوت و تبلیغ سے متاثر ہو کر اگر کبھی کبھار کفار نرم پڑتے تو اس نئے دین کے متعلق کچھ تحقیق کرنے کے لئے انھیں یہودیوں کی طرف رجوع کرتے کیونکہ عرب عموماً ان کے علم و فضل کے معترف تھے چنانچہ اس وقت یہود بجائے حق بات بتانے کے حسد و بغض سے ان ان پڑھ عربوں کو اور بھی بہکا دیتے حتیٰ کہ مشرکوں کو اسلام کے خلاف باقاعدہ جنگ کرنے پر ابھار دیتے اور بسا اوقات خود بھی اس جنگ میں علی الاعلان شریکؐ ہوتے ۔ الغرض حضورؐ کو عموماً بیک وقت دو مخالف محاذوں کے خلاف لڑنا پڑتا نیز کبھی مشرکین و یہود کے متحدہ محاذ کا جواب بھی تنہا ہی دینا

پڑتا تھا! ایسی ناسازگار فضا میں ایک عالمگیر انقلاب آفریں پیام لانا اور اسے بالکل بے سروسامانی کی حالت باذن اللہ کامیاب بنانا بھی تو رسولؐ ہی کے دل گردے کا کام تھا! کیا اس عظیم الشان کارنامہ کی دنیا میں کوئی مثال مل سکتی ہے؟

اب آیئے ہم اپنی تاریخ کے ان اوراق کو بھی ذرا الٹتے چلیں جہاں دینی نقطہ نگاہ سے اس "بدنصیب" قوم کے خد وخال کا نقشہ کھینچا گیا ہے!

دنیا کے تمام ارباب سیر اور مؤرخین خواہ وہ مشرق سے متعلق ہوں یا مغرب سے، عیسائی ہوں یا موسائی، مسلم ہوں یا غیر مسلم الغرض سب کے سب ایک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ قریش مکہ من حیث القوم بت پرست واقع ہوئے تھے۔ انھوں نے عین کعبہ اور حرم کعبہ میں ایک دو نہیں بلکہ تین سو ساٹھ بت رکھ چھوڑے تھے اور انہیں کی پرستش کرتے تھے! حیرت ہے کہ آسمان کے نیچے (دانستہ یا نادانستہ طور پر) شاید کسی ایک غلط بات پر ایسا اجماع کبھی نہیں ہوا۔ اس لئے کہ تین سو ساٹھ تو ایک طرف ایک بھی ایسے مجسمے کی نشان دہی قرآن سے نہیں کرائی جا سکتی جسے قریش نے تراشا ہو اور اس کی مجاوری کرتے ہوں، چہ جائیکہ عین کعبہ کے اندر سیکڑوں بت جا گزیں تھے!۔ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ۔

قرآن میں بتوں کو "اصنام" اور "تماثیل" کے لفظ سے پکارا گیا ہے لیکن کیا پورے قرآن میں اس کا کہیں بھی سراغ ملتا ہے کہ یہ قوم اصنام پرستی پر مائل یا تماثیل کے سامنے معتکف رہتی تھی؟

غور فرمایئے ابراہیمؑ کا باپ اور اس کی قوم کے لوگ بت پرست تھے۔ قرآن کیسے صاف اور صریح لفظ میں کہتا ہے۔ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ۔ پھر دوسری جگہ اس کی قوم کو خطاب کرکے ابراہیمؑ کی زبان میں کہتا ہے مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ۔ یا پھر اسی واقعہ کو سامنے لایئے کہ جب ابراہیمؑ نے کہا تھا تَاللّٰهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ بَعْدَ أَنْ تُوَلُّوا مُدْبِرِينَ۔ اسی طرح بنی اسرائیلیوں نے مصر سے نکلنے کے بعد ایک جماعت کو گئوسالہ پرستی کرتے دیکھ کر موسیٰؑ سے خواہش ظاہر کی تھی کہ ہمارے لئے بھی ایک بچھڑے کی مورتی عبادت کے لئے لا دی جائے چنانچہ اس واقعہ کو بھی قرآن نے واضح الفاظ میں بیان کر دیا ہے اور سامری

کے بہکانے سے بنی اسرائیلیوں نے جو چند دنوں کے لئے گئو سالہ پرستی کی تھی اس پر تو قرآن نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ کلام کیا ہے۔ الغرض ان تمام واقعات کو ایسی ابھری ہوئی شکل میں بیان کرنا اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ قرآن ایسے اہم واقعات کو ڈھکے چھپے لفظوں میں بیان کرنے کا عادی نہیں ہے بلکہ وہ حقائق بیانی کے لئے ایسا انداز و اسلوب اختیار کرتا ہے کہ حقیقت خوب ابھر کر سامنے آ جائے اور اس فعلِ قبیح کی خوب خوب مذمت ہو جائے!۔ بخلاف اس کے (بقول مؤرخین) قریش صدیوں مسلسل بت پرستی کرتے رہے اور وہ بھی خود خانۂ کعبہ میں، لیکن قرآن سے ایک آیت بھی پیش نہیں کی جا سکتی ہے جس میں قریش کو خطاب کر کے سرزنش کی گئی ہو کہ تم بت پرستی کیوں کرتے ہو یا ان تماثیل کے آگے اعتکاف کئے رہنے سے تمہیں کیا ملتا ہے۔

رہا قرآن میں لات، عزیٰ اور منات کا ذکر تو حقیقت یہ ہے کہ یہ محض فرضی نام ہیں جو جہالت کی بنا پر گڑھ لئے گئے تھے۔ در اصل خارج میں ان کا کوئی وجود نہ تھا۔ اِنۡ ھِیَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّیۡتُمُوۡھَاۤ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُکُمۡ۔ ان کے متعلق اُن کا خیال تھا کہ یہ ملائکہ ہیں اور اللہ کی بیٹیاں! وَجَعَلُوا الۡمَلٰٓئِکَۃَ الَّذِیۡنَ ھُمۡ عِبٰدُ الرَّحۡمٰنِ اِنَاثًا۔ چنانچہ ان کو مقربین بارگاہِ خداوندی سمجھ کر خدا کے نزدیک اپنا سفارشی ٹھہراتے (وَیَقُوۡلُوۡنَ ھٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰہِ) الغرض اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ قریش نے ان کی مورتیاں تراش رکھی تھیں اور انہیں کے آگے سربسجود رہتے تھے؟ ہاں قرآن سے بالتصریح جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قریش خلیل بت شکن کی نسل سے تعلق رکھنے کے باوجود (جس کا انہیں احساس تھا) مرورِ زمانہ کی وجہ سے بعض گمراہیوں میں گرفتار ہو گئے تھے یعنی یہی کہ فرشتوں کو "عورت" متصور کر رکھا تھا اور اللہ کے ساتھ ان کا رشتہ باپ بیٹی کا جوڑا کرتے تھے (وَیجعلون للہ البنات سبحانہ) اسی بنا پر ان کو اللہ کے حضور میں اپنا شفیع سمجھتے۔ نیز یہ کہ بعض مردوں کو بھی اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ اور وسیلہ ٹھہرا کر ان کے واسطہ سے مدد طلب کرنا اور اللہ کے ساتھ نذر و نیاز میں ان کو بھی شامل کر لینا توحید کے منافی نہ سمجھتے اور بس (وَیَجۡعَلُوۡنَ لِمَا لَا یَعۡلَمُوۡنَ نَصِیۡبًا مِّمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ) نہ کہ پتھر کے بت تراش کر ان پر آسن جمائے بیٹھے رہتے! چنانچہ بزعمِ خویش بڑی صفائی سے کہتے مَا نَعۡبُدُھُمۡ

اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی اور اس طرح اپنے دل کو مطمئن کر لیتے۔ کہ ہم تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے لیکن قرآن ان کے انھیں عقائد و اعمال کو توحیدِ الوہیت کے یکسر منافی اور شرک کے عین مرادف قرار دیتا ہے اور حکم دیتا ہے۔ وَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ۔ حُنَفَاءَ لِلّٰہِ غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِہٖ۔ وغیر ذالکؕ۔

اس موقع پر ایک نکتہ تشریح طلب ہے وہ یہ ہے کہ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ قرآن میں جہاں بھی مشرکین مکہ کے ذکر کے سلسلے میں لفظ "الٰہ" آتا ہے اکثر لوگوں کو دھوکا لگ جاتا ہے کہ اس سے "بت" مراد ہے اور لازمی طور پر ان کے ذہن میں اس لفظ سے "بت" ہی کا تصور آجاتا ہے حالانکہ ظاہر ہے کہ قرآن کی رو سے "الٰہ" کا اطلاق ہر اس شئے یا شخص پر ہوتا ہے (خواہ اس کا وجود ہو یا محض وہم ہی وہم ہو) جسے لائقِ عبادت سمجھا جائے حتیٰ کہ اگر نری خواہشات کی پیروی کی جائے تو ایسی خواہش کو بھی "الٰہ" ہی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے (اَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ) اور چونکہ مشرکینِ مکہ فرشتوں نیز اپنے بزرگانِ سلف کی ارواحِ موہومہ کو اللہ کے ساتھ بعض اعتبار سے لائق عبادت سمجھتے اور ان کے نام کی نذر نکالتے تھے اسی بناء پر ان کو "الٰہ" کہا گیا ہے اور ان کی عبادت سے منع کیا گیا ہے نہ کہ اس وجہ سے کہ وہ مورتیاں پوجتے تھے!۔

پھر ذرا سوچئے تو سہی کہ ایک شخص بت پرست قوم میں پیدا ہوتا ہے بلکہ یوں کہئے کہ خود بت پرست باپ کی گود میں پرورش پاتا ہے اس کے باوجود اس نے فطری طور پر کچھ ایسا قلبِ سلیم پایا تھا کہ بچپن ہی سے بت پرستی سے بیزار رہتا تھا۔ بت پرستی سے نفرت اس حد تک بڑھی ہوتی ہے کہ وقتاً فوقتاً اپنے باپ کو بھی اس کی غلط روش پر ٹوکنے سے باز نہیں آتا حتیٰ کہ اپنی قوم سے اس گندگی کو مٹانے کے لئے جان تک کی بازی لگا دیتا ہے۔ انجام کار ان کی اصلاح سے مایوس ہو کر اپنی قوم، اپنے عزیز وطن اور اپنے باپ تک کو خیرباد کہہ کر ایک ایسی جگہ ہجرت کر جاتا ہے جو غیر آباد ہونے کے علاوہ بالکل خشک بنجر ریگستان ہے، وہیں مستقل طور پر سکونت اختیار کرتا ہے بعدہٗ اپنے اکلوتے بیٹے کو ساتھ لے کر اسی زمین پر ایک گھر کی بنیاد ڈالتا ہے تاکہ وہ گھر ساری دنیا میں خالصۃً توحید پرستی کے لئے ایک مرکز کی حیثیت رکھے۔ اس محترم گھر کی تعمیر سے

فارغ ہو کر باپ اور بیٹا دونوں دست بدعا ہوتے ہیں۔ باپ دعا کرتا ہے اور بیٹا آمین پکارتا جاتا ہے اور اپنی تمام قربانیوں کے صلے میں اللہ سے جس چیز کے لئے زبان کھولتا ہے وہ بس یہ کہ بار الہا! اکثر لوگ بت پرستی کی گمراہیوں میں مبتلا ہو رہے ہیں، تجھ سے میری یہ التجا ہے کہ (کم از کم) اس شہر مکہ کی زمین کو بت پرستی کی گندگیوں سے پاک رکھیو اور میری اولاد کو بت پرستی کی لعنت سے اپنے امان میں رکھیو۔ کیا کسی کے وہم وگمان میں بھی کبھی یہ بات آسکتی ہے کہ ان اللہ کے لاڈلوں کی دعا رد کر دی گئی؟ کیا اس بزرگ جس کی شان میں اِنِّی جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا کہا گیا ہو، جیسے حَنِیْفًا مُّسْلِمًا کے خصوصی لقب سے نوازا گیا ہو، جو خود ایک ایسی ملت کا بانی ہو جس کی اتباع کا حکم ساری امۃ کو دیا گیا ہو، جس نے اپنا سب کچھ لٹا کر توحید پرستی کے مفہوم کو عملی طور پر مکمل کر کے دکھایا ہو اور اپنے جگر گوشہ فرزند وحید کی قربانی کی پیش کش کر کے دنیا میں جماعت صدیقین کے لئے ایک عدیم النظیر مثال قائم کر دی ہو، اس کی دعا صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ . . . .

چنانچہ قرآن نے سورہ ابراہیم کی مندرجۂ ذیل آیۃ کریمہ میں تاریخ مکہ اور اہل مکہ کے بعض اہم گوشوں کو ابراہیمؑ کی زبانی دعائیہ پیرایہ میں پیش کر کے اس غیبی نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ پورے کرۂ ارض پر مکہ اور صرف مکہ کی ارض مقدسہ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ خطہ روز اول ہی سے بت پرستی کی آلائشوں سے پاک رہا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ پاک رہے گا۔ نیز یہ کہ اولاد اسمٰعیل نہ کبھی بت پرست رہی ہے اور نہ کبھی بت پرستی کرے گی۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ یعنی اس وقت کو یاد کرو جب کہ ابراہیمؑ نے دعا کی کہ یا اللہ اس شہر (مکہ) کو امن والا شہر کر دے اور مجھے اور میری اولاد (اسمٰعیل) کو بتوں کی عبادت سے دور رکھ۔

وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ۔